ڈاکٹر جمیل جالبی کی ترجمہ نگاری: ایک مطالعہ

ڈاکٹر نذر عابد
صدر شعبۂ اُردو، ہزارہ
یونیورسٹی مانسہرہ، پاکستان

ABSTRACT

Dr. Jamil Jalbi (1929-2019) is a renowned Urdu Researcher and Critic. He was born in Aligarh. After having got the primary and secondary education from Aligarh and Saharanpur, he did his graduation from Merith College. He came to Karachi (Pakistan) one day before the partition on 13th August 1947. He completed his education from Sindh University securing degrees of MA, LLB, PhD and D.Lit.

He was selected in civil services of Pakistan and served in Income Tax Department. He also served on key posts like Chairman, National Language Authority and Vice Chancellor, Karachi University.

He has so many books on his credit. He has written the history of Urdu language and literature comprising four

volumes. "Pakistani Culture" is another important book written by him in which he has identified the fundamental traits of Pakistani culture and civilization. He also launched a quarterly literary journal "Naya Dour" which has served a lot to promote Urdu language and literature.

He was also interested in translation studies. He has translated in Urdu, the famous English novel "Animal Farm" written by George Arvil. The special field of interest regarding his translation works was western criticism. In this regard, he has translated 14- articles of famous English Critic T.S Eliot. Besides this, he has also written a very important book namely "Arastoo se Eliot tak". In this book, he has translated 25-articles of famous and significant western critics right from Aristotle (322-384 BC) to T.S Eliot, the critic of 20th century. He has also included the introductory notes regarding life and works of each critic. This book is very much popular among the students and teachers of Urdu literature.

In this article, the author has brought forward a critical study while analyzing and evaluating the translation works of Dr. Jamil Jalbi.

☆☆☆

ترجمہ اس لحاظ سے مشکل فن ہے کہ ترجمہ نگار کا نہ صرف دونوں متعلقہ زبانوں پر کامل عبور ہونا لازم ہے بلکہ ان دونوں زبانوں سے وابستہ تہذیبی و ثقافتی مظاہر سے بھی بڑی حد تک آگہی ضروری

ہے۔مترجم اپنے ترجمے کی وساطت سے دوطرح کے سماج میں پائے جانے والے ذہنی وفکری ابعاد کے درمیان گویا ایک پل کی تعمیر کا تخلیقی فریضہ سرانجام دیتا ہے۔یوں دوثقافتوں کے درمیان ذہنی وفکری روابط کے تازہ تر امکانات وجود میں آتے ہیں۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ترجمے کا فن عالمی سطح پر ایک بلند علمی وادبی اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔

دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی ترجمے کی اہمیت کو عملی طور پر تسلیم کیا گیا۔اردو کے متعدد مترجمین نے اس اہم علمی وادبی سرگرمی کے تحت عالمی ادب کے معروف فن پاروں اور کتب کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔اس سلسلے میں ایک اہم نام ڈاکٹر جمیل جالبی کا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے تنقید، ادبی تاریخ ،لسانیات ،لغت نگاری اور متنی ترتیب وتدوین کے شعبوں میں قابلِ قدر کام کرنے کے ساتھ ساتھ ترجمہ نگاری کے میدان میں بھی اپنی وقیع اور معتبر علمی کاوشوں کے توسط سے اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا طبعی میلان زیادہ تر چونکہ تحقیق وتنقید کی طرف رہا لہٰذا انھوں نے ترجمے کی غرض سے جن تحریروں کا انتخاب کیا ان کا تعلق خاص طور پر مغرب کے تنقیدی سرمائے سے تھا۔تاہم اس سلسلے میں ان کی ایک کاوش ان کے غالب طبعی میلان سے ذرا ہٹ کے ہے۔انھوں نے جارج اورول کے معروف ناول ''Animal Farm'' کا اردو ترجمہ ''جانورستان'' کے نام سے کیا۔اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ کہانی سے انھیں کسی حد تک مناسبت تھی۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کی فرمائش پر عجیب وغریب واقعات پر مشتمل کہانیاں تحریر کیں جو ''حیرت ناک کہانیاں'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔

ترجمے کے حوالے سے ان کے دیگر منصوبے ان کے غالب طبعی رجحان تحقیق وتنقید ہی سے متعلق رہے۔اس سلسلے میں ان کی اولین کاوش بیسویں صدی کے انگریزی کے معروف شاعر اور نقاد ٹی۔ایس ایلیٹ کے تنقیدی مضامین کے اردو تراجم پر مشتمل ''ایلیٹ کے مضامین'' کے نام سے کتابی صورت میں سامنے آئی۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۶۰ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا۔دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء، تیسرا ۱۹۷۱ء جب کہ چوتھا ایڈیشن نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔

اس کتاب میں ابتدائی طور پر ٹی۔ایس ایلیٹ کے مختصر سوانح کے ساتھ اس کے درج ذیل نو مضامین کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا۔

۱۔شاعری کا سماجی منصب ۲۔شاعری کی تین آوازیں ۳۔شاعری کی موسیقی
۴۔شاعری اور ڈراما ۵۔روایت اور انفرادی صلاحیت ۶۔کلاسیک کیا ہے؟
۷۔مذہب اور ادب ۸۔تجربہ اور تنقید ۹۔تنقید کے حدود

بعد میں نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں ٹی۔ایس ایلیٹ کے درج ذیل پانچ مزید تنقیدی مضامین کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا۔

۱۔شاعری اور پروپیگنڈا ۲۔بودلیئر ۳۔ادب اور عصرِ جدید
۴۔صحافت اور ادب ۵۔تنقید کا منصب

ان پانچ مضامین کے اضافے کے ساتھ ساتھ کتاب کے پہلے حصے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے ٹی۔ایس ایلیٹ کا بحیثیت نقاد، شاعر اور ڈراما نگار ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے پڑھنے والے کو نہ صرف ٹی۔ایس ایلیٹ جیسے اہم مغربی نقاد کے ادبی و تنقیدی خیالات و نظریات سے براہِ راست آگہی حاصل کرنے کا موقع میسر آتا ہے بلکہ اس کے ادبی قد کاٹھ اور مقام و مرتبے کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے صاحبِ بصیرت اور تجزیاتی ذہن رکھنے والے نقاد کی آرا سے استفادے کی صورت بھی نکلتی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی ترجمہ نگاری کا تیسرا بڑا اور سب سے اہم منصوبہ ان کی معروف و مقبول کتاب ''ارسطو سے ایلیٹ تک'' کی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔۱۹۷۵ء میں پہلی بار شائع ہونے والی اس کتاب میں ارسطو سے لے کر ٹی۔ایس ایلیٹ تک مغرب کے سترہ اہم نقادوں کے چوبیس تنقیدی مضامین کے تراجم شامل ہیں۔۲۰۱۲ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی اس کتاب کے نویں ایڈیشن میں مصنف نے ایک اور اہم مغربی نقاد ایذرا پاؤنڈ کا تعارف اور اس کے ایک مضمون کے ترجمے کا اضافہ کیا۔یوں اس کتاب میں مغرب کے اٹھارہ نمائندہ نقادوں کے پچیس اہم تنقیدی مضامین کے تراجم کی صورت میں مغرب کی ڈھائی ہزار سالہ ادبی تنقید کا ایک مکمل منظر نامہ پیش کر دیا گیا ہے۔اردو ادب کے اساتذہ، طلبہ اور عام باذوق قارئین میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک مختلف اداروں کی طرف سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب کی شانِ نزول کے حوالے سے خود مصنف نے کتاب کے پیش لفظ میں بتایا ہے کہ

جس زمانے میں وہ اپنی کتاب پاکستانی کلچر لکھ رہے تھے تو ایک دن اچانک انھیں محسوس ہوا کہ ذہن ماؤف ہوگیا ہے اوران کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ کچھ دنوں تک یہی ذہنی کیفیت رہی۔ پھر ایک دن ان کے ذہن میں ایک نیا خیال ابھرا۔ وہ لکھتے ہیں:

''اپنی اس کرب ناک کیفیت سے مقابلہ کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ چلیے میرے پاس تو ابکہنے کے لیے کچھ نہیں رہا لیکن لگے ہاتھ یہ دیکھ لیا جائے کہ دنیا کے دوسرے سوچنے اور لکھنے والوں کے پاس کیا ہے؟ ان کے پاس بھی، جوگزر چکے ہیں اوران کے پاس بھی، جوزندہ ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے پڑھنا شروع کیا۔''(۱)

اس دوران میں انھوں نے ادب کے علاوہ تاریخ، فلسفہ، نفسیات اور عمرانیات نکا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ انگریزی ادب کے عمیق مطالعے نے انھیں ایک اور بات سجھائی۔ ان کے مطابق:

''اس خیال نے شدت اختیار کی کہ میں نے اب تک جو کچھ پڑھا ہے اس میں سے اگر مغرب کیادبی فکر کو تسلسل کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیا جائے تو اچھا ہو۔''(۲)

یوں انھوں نے مغرب کے اہم نقادوں کے چیدہ چیدہ مضامین کا اردو ترجمہ کرنے کا آغاز کیا۔ ان مضامین کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں انھوں نے متعلقہ مصنفین کے مختصر سوانح اوران کے فکری رجحانات کے حوالے سے تعارفی ابتدائیے بھی شامل کیے۔ اس کتاب کی ترتیب کچھ یوں رکھی گئی ہے کہ پیش لفظ کے بعد پچھتر صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ شامل ہے، جس میں مصنف نے مغربی تنقید کے ارتقائی مراحل پر بات کرتے ہوئے قدیم یونانی فکر سے لے کر بیسویں صدی کی جدید مغربی تنقید کے رجحانات تک کا تفصیلی تجزیاتی مطالعہ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اس مقدمے کی وساطت سے اردو کے قاری کے سامنے مغربی تنقید کے فکری رجحانات ومیلانات بہت واضح صورت میں روشن ہوجاتے ہیں۔

مقدمے کے بعد انفرادی مطالعات کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حصے کی ابتدا ارسطو سے ہوتی ہے۔ ارسطو کے تعارف کے بعد اس کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''بوطیقا'' کا چھبیس مختصر ابواب پر مشتمل ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ارسطو سے پہلے اس کے استاد افلاطون نے بھی فنِ شعر سے متعلق کچھ سوالات اٹھائے تھے لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی پہلا باقاعدہ نقاد ارسطو کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے شاعری سے متعلق افلاطون کے اٹھائے گئے سوالات پر پہلی بار ایک مربوط نظامِ فکر کے تحت روشنی ڈالی۔ شاید مصنف نے شاعروں

کے احترام میں افلاطون کو اپنی فہرست میں شامل نہ کیا ہو کہ اس نے بھی تو اپنی مثالی ریاست سے شاعروں کو دیس نکالا دے دیا تھا۔

کتاب کے اگلے حصے میں ۶۵ قبل مسیح میں پیدا ہونے والے یونانی شاعر اور نقاد ہیوریس کے مضمون ''فنِ شاعری'' کا ترجمہ شامل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک ہیوریس ادب اور زندگی کے گہرے تعلق پر یقین رکھنے والا نقاد ہے۔ اس کے مذکورہ مضمون میں بھی اس امر کا گہرا احساس ملتا ہے۔

امکانی طور پر پہلی صدی عیسوی سے تعلق رکھنے والے یونانی نقاد لونجائنس کی معروف تصنیف کا انگریزی نام ''on the sublime'' ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس تصنیف کا اردو ترجمہ ''علویت کے بارے میں'' کے نام سے کیا ہے۔ چوالیس مختصر ابواب پر مشتمل اس تصنیف کا اردو ترجمہ ستاون صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لونجائنس کا یہ مسودہ نامکمل حالت میں سولہویں صدی عیسوی میں فرانسس ربورٹیلو کی دریافت ہے۔ اس تصنیف میں بیان کردہ علویت اور ترفع کے اصول اور مخارج آج کے دور میں تخلیق ہونے والے ادب پر بھی بجا طور پر صادق آتے ہیں۔

اٹلی کے شہر فلورنس سے تعلق رکھنے والے دانتے ''طربیۂ خداوندی'' (Divine comedy) جیسی شہرۂ آفاق تصنیف کے خالق ہیں۔ اطالوی زبان میں لکھی گئی دانتے کی اس تصنیف پر فارابی، ابنِ سینا، امام غزالی، ابنِ رشد اور ابن العربی جیسے مسلم مفکرین کے فکری اثرات نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی زیرِ نظر کتاب میں دانتے کا مضمون ''عام بول چال کی زبان کا ادبی استعمال'' کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق دانتے کے عہد میں لاطینی زبان اعلیٰ علمی و ادبی زبان سمجھی جاتی تھی لیکن دانتے نے اس کے برعکس ''طربیہء خداوندی'' اطالوی زبان میں لکھا جب کہ مذکورہ بالا مضمون اس نے لاطینی زبان میں لکھا تا کہ اطالوی زبان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والے اہلِ علم کو باور کرایا جا سکے کہ ''طربیہ'' کو اطالوی زبان میں لکھنے کا جواز کیا تھا۔

جس سال لونجائنس کا مخطوطہ دریافت ہوا، اسی سال یعنی ۱۵۵۴ء میں معروف انگریزی شاعر اور نقاد سر فلپ سڈنی پیدا ہوا۔ وہ عین جوانی میں بتیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کی جواں مرگی پر لگ بھگ دو سو مرثیے لکھے گئے۔ بہت کم عمری میں اس نے ایسے تخلیقی اور تنقیدی کارنامے سرانجام دیئے کہ انگریزی ادب میں اس کا نام امر ہو گیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب میں اس کے مشہور تنقیدی مضمون

''شاعری کا جواز'' کا اردو ترجمہ شامل کیا۔ یہ مضمون سر فلپ سڈنی کی وفات کے نو برس بعد دو ناشرین نے ''شاعری کا جواز'' اور ''شاعری کے لیے معذرت'' کے دو مختلف ناموں سے شائع کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق یہی مضمون ادب میں سر فلپ سڈنی کی دائمی شہرت کا باعث ہے۔

کتاب میں شامل اگلا اہم نقاد پیرس سے تعلق رکھنے والا بولو ہے۔ کلاسیکی مزاج کا حامل بولو بنیادی طور پر شاعر تھا لیکن وہ گہرے تنقیدی شعور کا مالک بھی تھا۔ شعری مزاج اور گہرے تنقیدی شعور کے امتزاج ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کے تنقیدی خیالات و نظریات نے بھی منظوم صورت میں اظہار پایا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب میں اس کی مشہور منظوم تصنیف '' فنِ شاعری'' کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ چار کینٹوز پر مشتمل اس منظوم تصنیف میں بولو نے لکھنے والوں کو تخلیق کے حوالے سے بہت مفید مشورے دیئے ہیں۔ خاص طور پر یہ کہ لکھنے والے کو لکھنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ گویا اپنی قلبی واردات کو خوب پختگی کے مراحل سے گزار کر قلم اٹھانا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
(۳)

اٹھارویں صدی کے جرمن نژاد لیسنگ کی اصل شہرت اس کی ڈراما نگاری ہے لیکن اس کی ایک تنقیدی تصنیف ''لاؤکون'' اسے مغربی نقادوں کی صف میں اہم مقام دلاتی ہے۔ اپنی اس تصنیف میں اس نے مختلف فنونِ لطیفہ اور خاص طور پر شاعری اور مصوری کے امتیازات پر بحث کی ہے۔ ''لاؤکون'' دراصل قدیم یونانی دیومالا کا ایک لافانی کردار ہے۔ لیسنگ اسی کردار کے مجسمے کو اپنے تنقیدی مباحث کی بنیاد بناتا ہے اور بحث کے دوران میں بار بار اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس تصنیف کے سولہویں باب کو ترجمے کے لیے منتخب کیا جو ان کی کتاب میں شامل ہے۔

''فاؤسٹ'' جیسی لافانی تخلیق کا خالق جرمن شاعر، ڈراما نویس اور ناول نگار گوئٹے، لیسنگ کا ہم عصر تھا۔ اس نے تخلیقی ادب کے مختلف شعبوں میں قابلِ قدر کام کیا۔ تاہم اپنے گہرے تنقیدی شعور کے باعث اسے ایک اہم نقاد بھی سمجھا جاتا ہے۔ میتھیو آرنلڈ کے مطابق اسی گہرے تنقیدی شعور نے گوئٹے کے سامنے تخلیق کے نئے آفاق روشن کر دیئے اور یوں اس کے تخلیقی عمل میں آفاقی شان پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر جمیل

جالبی نے اپنی کتاب میں گوئٹے کے جن دو تنقیدی مضامین کے تراجم پیش کیے ان میں ''ناول اور ڈراما'' اور ''ارسطو کی بوطیقا کا تتمہ'' شامل ہیں۔اس کے علاوہ ''کلاسیکیت اور رومانیت'' کے عنوان سے اس کے ایک شذرے کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

انگریزی ادب میں رومانی تحریک کو ایک نیا رخ اور نئی توانائی دینے والے شاعروں اور ادیبوں میں کولرج ایک اہم نام ہے۔اس نے نہ صرف تخلیقی سطح پر رومانی شاعری کے بہترین نمونے پیش کیے بلکہ ''بایوگرافیا لٹریریا'' جیسی تصنیف لکھ کر رومانی تنقید کے بنیادی خدوخال کو واضح کیا۔خاص طور پر شاعری میں تخیل، شاعرانہ فطرت اور شعری زبان کے حوالے سے بنیادی اصول متعین کیے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کی تصنیف ''بایوگرافیا لٹریریا'' میں سے چار حصے ''قوتِ تخیل''، ''رومانی شاعری''، ''نظم اور شاعری'' اور ''شاعری کی زبان'' کے عنوانات کے تحت ترجمہ کر کے اپنی کتاب میں شامل کیے۔ان تراجم سے کولرج کی رومانی تنقید کے بنیادی عناصر بھرپور وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔

انیسویں صدی سے تعلق رکھنے والا فرانسیسی نقاد سانت بیو انتہائی صاحبِ مطالعہ شخص تھا۔شاید اسی کثرتِ مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ اس کی فکر مسلسل ارتقا کے مراحل طے کرتی رہی۔ابتدا میں اس کی تحریروں پر رومانیت کے گہرے اثرات موجود ہیں۔بعد میں وہ کلاسیکیت کا علم بردار بن گیا۔وہ اس بات پر بھی زور دیتا تھا کہ فن کا مطالعہ فن کار کی ذات کے حوالے سے ہونا چاہیئے۔اس پر اعتراض بھی کیا گیا کہ اس کی تنقید ادبی کی بجائے تاریخی اور سوانحی نوعیت کی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا مضمون ''کلاسیک کیا ہے'' کا ترجمہ اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔اس مضمون کے ذریعے کلاسیک کی ماہیئت اور حدود کو سمجھنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔

انیسویں صدی ہی کے معروف انگریزی شاعر اور نقاد میتھیو آرنلڈ بھی سانت بیو کی طرح تنقید کو فن کا درجہ دیتا ہے۔اس کی تنقید ادب اور زندگی کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کی ایک کاوش ہے۔تخلیقی طور پر وہ ہیئت اور مواد کی اکائی کا قائل ہے۔اپنے بعد آنے والے انگریزی نقادوں پر اس کی فکر کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کے دو اہم مضامین ''شاعری کا مطالعہ'' اور ''تنقید کا منصب'' کا ترجمہ کر کے اپنے قاری تک میتھیو آرنلڈ کے شاعری اور تنقید سے متعلق بنیادی خیالات بطریقِ احسن پہنچائے ہیں۔

''وار اینڈ پیس'' جیسے شاہکار ناول کے خالق لیو ٹالسٹائی نے روس کے کلیسائی مذہب سے بیزار ہو کر عیسائیت کے حوالے سے اپنے عقائد کی روشنی میں نیا نظریہ وضع کیا۔ اس کے ان خیالات کی چھوٹ اس کی تحریروں پر بھی پڑی۔ اس نے اپنی معروف تنقیدی تصنیف ''فن کیا ہے'' میں ادبی تحریروں کا تجزیہ انہی خیالات کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ٹالسٹائی کی اس تصنیف کے پندرہویں اور سولہویں باب کے تراجم پیش کیے ہیں۔ ان دونوں ابواب میں کی گئی بحث کی روشنی میں ٹالسٹائی کے مکمل نظامِ فکر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اپنے والد کا ہم نام اور مشہور امریکی فلسفی ولیم جیمز کے بھائی ہنری جیمز نے زندگی کا بڑا حصہ یورپ میں گزارا۔ اس کی بنیادی شناخت ناول نگار کی حیثیت سے ہے لیکن انیسویں صدی کے آخر میں جب ناول کے حوالے سے تنقید لکھنے کا آغاز تو ہنری جیمز اُن چند نقادوں میں شامل تھا جنھوں نے انگریزی ناول کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا۔ اس سلسلے میں اُس کا سب سے اہم مضمون ''آرٹ آف فکشن'' ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ہنری جیمز کا ''فکشن کا فن'' کے عنوان سے ترجمہ کر کے اپنی کتاب میں شامل کیا۔ اس مضمون میں ہنری جیمز نے ناول نگار کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ زندگی کے قریب رہ کر اپنے زندہ تجربات کو مخصوص ہیئت اور زبان کے ذریعے قاری کے سامنے پیش کرے۔

اپنے نظریۂ اظہار سے شہرت پانے والا اطالوی نقاد کروچے انسانی صلاحیتوں کو چار دائروں یعنی جمالیاتی، اخلاقی، معاشی اور منطقی صلاحیتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اُس کے مطابق ان صلاحیتوں سے جنم لینے والی سرگرمیاں انسانی روح کے دائرے کو مکمل کرتی ہیں۔ کروچے کے نزدیک تنقید دراصل تخلیق نو ہے۔ تخلیق کار تاثر پذیری اور داخلی اظہار کے مراحل سے گزر کر فن کو ظاہری صورت بخشتا ہے۔ کروچے کے مطابق نقاد اس کے برعکس فن کی ظاہری صورت سے تاثر پذیری کے مرحلے تک پہنچتا ہے یوں گویا وہ تخلیق نو کا عمل انجام دیتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کروچے کا ایک اہم مضمون ''شاعری کا جواز'' کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ اُس زمانے میں جب بعض فلسفیوں کی طرف سے شاعری کی موت کا اعلان کیا جا رہا تھا، کروچے کا یہ مضمون انسانی سماج میں شاعری کی اہمیت اور ضرورت کے تناظر میں ایک اہم دستاویز ہے۔

بیسویں صدی کا انگریز نقاد آئی۔ اے رچرڈز پہلا نقاد ہے جو تنقید کو سائنسی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ بیسویں صدی میں طبیعات اور نفسیات کے علوم میں حیرت انگیز ترقی نے انسانوں کے سوچنے کا انداز

اور طرزِ احساس بدل ڈالا۔ رچرڈز اس ذہنی وفکری سطح پر تبدیل ہوتے سماج میں شاعری سے بھی نئے تقاضوں کا مطالبہ کرتا ہے۔''ارسطو سے ایلیٹ تک''میں رچرڈز کے مضمون''سائنس اور شاعری'' کا ترجمہ شامل ہے جس میں اُس کے تنقیدی نظریات کی بھرپور ترجمانی پائی جاتی ہے۔

تیس سال کی عمر میں اسپین کی خانہ جنگی میں مارا جانے والا انگریز ناول نگار اور نقاد کرسٹوفر کارڈویل مارکسی فکر کا پرچارک تھا۔اُس کی زیادہ تر تصانیف اُس کے مرنے کے بعد شائع ہوئیں۔اُس نے اپنی تحریروں میں شاعری اور فن پر مارکسی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی اور شاعری کے ماخذات سماج میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے کرسٹوفر کارڈویل کا ایک مضمون'' شاعری کا مستقبل'' کے عنوان سے ترجمہ کر کے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔اس مضمون میں بھی شاعری پر مارکسی اندازِ فکر کے تحت بحث کی گئی ہے۔

بیسویں صدی کے انگریزی ادب کو قدیم عہد سے نکال کر جدید عہد میں داخل کرنے کا سہرا معروف امریکی شاعر اور نقاد ایذرا پاؤنڈ کے سر بندھتا ہے۔اس سلسلے میں اُس نے متعدد شاعروں اور ادیبوں کو نہ صرف اپنی تحریروں سے متاثر کیا بلکہ بعض کی تو باقاعدہ راہنمائی کی۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب کے لیے اُس کا ایک مضمون''سنجیدہ فن کار'' کے عنوان سے ترجمہ کر کے اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا۔اس مضمون میں ایذرا پاؤنڈ نے شاعری کی روایت اور تخلیقی عمل کے حوالے سے ایسے بنیادی مباحث چھیڑے ہیں جن سے لکھنے والے آج بھی راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

امریکہ میں پیدا ہونے والے ٹی۔ایس ایلیٹ نے نوجوانی ہی میں انگلستان کی شہریت حاصل کر لی تھی۔اُسے بیسویں صدی کی انگریزی شاعری اور تنقید میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔اُسے بیسویں صدی کا میتھیو آرنلڈ بھی کہا جاتا ہے۔شاعری میں اُس کا بڑا کارنامہ اُس کی طویل نظم''دی ویسٹ لینڈ'' کو قرار دیا جاتا ہے۔تنقیدی نقطۂ نظر سے وہ تخلیق کے لیے روایت اور تاریخی شعور کو لازم قرار دیتا ہے۔ٹی۔ایس ایلیٹ کو اگر ڈاکٹر جمیل جالبی کا پسندیدہ نقاد کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔وہ''ارسطو سے ایلیٹ تک'' سے پہلے''ایلیٹ کے مضامین'' کے نام سے ایک کتاب پیش کر چکے تھے جس میں ایلیٹ کے چودہ تنقیدی مضامین کے تراجم شامل تھے۔''ارسطو سے ایلیٹ تک'' کے لیے انہوں نے انہی چودہ مضامین میں سے دو مضامین''روایت اور انفرادی صلاحیت''اور''شاعری کا منصب'' کا انتخاب کیا۔

''ارسطو سے ایلیٹ تک'' کی صورت میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے مغرب کی ڈھائی ہزار سالہ تنقیدی روایت کی مثنی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اہم مغربی نقادوں کے اہم تنقیدی مضامین کے تراجم کے ذریعے مغرب کی فکری روایت کو مربوط انداز میں پیش کر دیا ہے۔ یوں اُردو کے شاعروں، ادیبوں اور قارئین پر مغربی فکر کے ایسے دریچے وا ہو گئے جہاں سے آنے والے تازہ ہوا کے جھونکے اُن کی فکر کو تازگی اور توانائی سے ہم کنار کرتے رہیں گے۔ جہاں تک ان مضامین کے ترجمے کے معیار کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اُردو کے معروف ادیب اور دانشور احمد ندیم قاسمی کی یہ رائے کافی ہے:

''جمیل جالبی کے یہ تراجم اس لحاظ سے بھی منفرد ہیں کہ معلوم ہوتا ہے مغرب کے اکابر نے اپنے یہ مضامین لکھے ہی اُردو میں ہیں۔ یہ صدیوں رہنے والا کارنامہ ہے۔''

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ڈاکٹر جمیل جالبی کی ترجمہ نگاری میں دو خصوصیات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جس تحریر کا ترجمہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں خود اس تحریر کی تفہیم کے حوالے سے کسی قسم کے ذہنی ابہام کا شکار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اصل متن کی تہہ میں موجود مفاہیم کو بہت واضح اور غیر مبہم انداز میں اپنی زبان میں منتقل کر دینے میں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خود ایک ماہرِ لسانیات ہونے کے ناتے الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی ساخت کے اعتبار سے اُن کے تراجم میں بھرپور مہارت کے ساتھ ساتھ ایک تازگی اور شگفتگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یوں اُن کے تراجم اپنی تمام تر علمی ثقالت اور سنجیدگی کے باوجود پڑھنے والے کے لیے ذہنی سطح پر کسی طرح کے بوجھل پن کا باعث نہیں بنتے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر جمیل جالبی، پیش لفظ، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص۹

۲۔ایضاً ص۱۰

۳۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص۳۹۱

۴۔احمد ندیم قاسمی، پس ورق، ارسطو سے ایلیٹ تک